ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

ڈاکٹر رفعت چوہدری
شعبہ اُردو، جی سی ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ

اکیسویں صدی میں منتخب مزاح نگاروں کے فن پاروں کا موضوعاتی مطالعہ

Dr. Rifat Choudhry*
Urdu Department, GC Women University Sialkot.
***Corresponding Author:** rifatch.gcwus@gmail.com

A Thematic Study of the Works of Art of Selected Humorists in the 21st Century

This paper conducts a thematic analysis of the works of art of prominent humorists in the 21st century, exploring the underlying themes and messages that permeate their creative output. Through a close reading of selected texts, images, and performances, this study reveals the ways in which contemporary humorists use humor to comment on pressing social issues, challenge cultural norms, and reflect the anxieties and absurdities of modern life. By examining the shared themes and techniques employed by these humorists, this research provides insight into the role of humor in shaping our understanding of the world and ourselves, and highlights the significance of humor as a means of social critique and personal expression in the 21st century.

Key Words: *Humor, Satire, Comedy, 21st Century, Cultural Critique.*

دنیا میں انسانی سوچ کے تین موضوعات یعنی خدا، کائنات اور انسان ایسے موضوعات ہیں جن پر انسان ہمیشہ سے محوِ گفتگو رہا ہے۔ یہ گفتگو کبھی تقریر کی شکل میں ہوتی ہے تو کبھی تحریر کی شکل میں۔ تحریری گرفت میں آنے کے بعد انھی موضوعات پر علم و فلسفہ اور ادبیاتِ عالم صدیوں سے گھومتی آ رہی ہیں۔ جب تک کرہ ارض پر انسانی تہذیب موجود ہے انسان کے لیے خود انسان کی ذات سب سے اہم اور ناقابلِ گرفت موضوع بنا رہے گا۔ مختلف موضوعات کے ادبی اظہار کے لیے عموماً ادیبوں کو جو صنف راس آتی ہے، وہ مضمون ہے۔ مضمون کی صنف اپنی ہمہ گیریت اور تنوع کی بنا پر شروع سے ہی ہر نئے لکھنے والے کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ مختلف اصناف میں

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

اپنی پہچان بنانے والے ادیب عموماً مضمون کے دروازے سے ہی ادبی دنیا میں داخل ہوئے ہیں۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے مضمون کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> "کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ دنیا کے ہر معاملے، مسئلے یا موضوع پر مضمون لکھا جاسکتا ہے"۔ (۱)

جس طرح انسان کی زندگی میں مختلف دور آتے ہیں اور ان ادوار کے پیشِ نظر انسان کی سوچ، گفتگو، رہن سہن اور طور طریقے بدل جاتے ہیں بالکل اسی طرح ہمیں ادب میں بھی مزاح کا ارتقا نظر آتا ہے۔ وہ مزاح جس کا آغاز لطیفوں، چٹکلوں اور مسخروں سے ہوا تھا صدیوں کی مسافت طے کرنے کے بعد اور اکیسویں صدی کے تقاضوں پر پورا اترنے کے لیے اپنی حالت تبدیل کر چکا ہے۔ دورِ حاضر کے مزاح میں آنے والی تبدیلیاں، فرق، اسلوب، رجحانات اور موضوعات ملکی حالات کی پیداوار ہیں۔ عہدِ حاضر کی طنزیہ و مزاحیہ نثر اور عہدِ گزشتہ کی طنزیہ و مزاحیہ نثر اپنے اپنے عہد کی آئینہ دار ہیں۔ تقسیمِ ہند سے پہلے اور قیامِ پاکستان کے بعد قومی سطح پر بے یقینی کی فضا چھا گئی۔ ایسے حالات میں جتنا بھی ادب تخلیق ہوا اس میں معاشرے کا اضطراب اور احتجاج دونوں نظر آتے ہیں۔ یہ دور مزاح کے نزاع کا دور تھا۔ اردو مزاح کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ۱۹۶۱ء میں مشتاق احمد یوسفی کی پہلی تصنیف "چراغ تلے" سے ہوا۔ آہستہ آہستہ ملکی استحکام میں سکون آیا اور لوگوں کو بے فکری اور آزادی کی فضا نصیب ہوئی تو ادب کی صورت بھی نکھرنے لگی۔ نئے نئے موضوعات، جدید اسلوب اور منفرد بحثوں کا آغاز ہوا تو مزاحیہ نثر کے رنگ بھی نکھرنے لگے۔ طنز اور مزاح اصنافِ ادب میں اپنی نوع کی غالباً واحد ایسی صنف ہے جس کی ضرورت و اہمیت ہر زبان اور ہر عہد میں محسوس کی جاتی رہی ہے۔ یہ زندگی کے دکھوں کو کم کرنے اور ان کا کتھارسس کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ڈاکٹر ہمایوں اشرف کے بقول:

> "انسان محض زندگی کے راست پہلوؤں کو دیکھنے کا عادی ہے جب اسے ماحول یا زندگی میں کجی اور بے اعتدالی نظر آتی ہے تو اس کا حساس دل متاثر ہوتا ہے اور اس کی فطرت آمادہ احتجاج ہو جاتی ہے۔ نتیجے کے طور پر اس کے اندر دو طرح کے جذبے سر ابھارتے ہیں ایک نفرت کا اور دوسرا ترحم کا۔ یہی جذبے جب الفاظ کے سانچے میں ڈھلتے ہیں تو دو رُخ سامنے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

آجاتے ہیں یعنی طنزیہ اور مزاحیہ۔ ’طنز‘ ایک آرٹ ہے سماج کی دُکھتی رگوں کی نشتر زنی کا اور ’مزاح‘ ایک مرہم ہے ان دکھتی رگوں کو آرام پہنچانے کا یعنی کتھارسس کا“۔ (۲)

جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے زندگی مشینی ہوتی جارہی ہے۔ پھر ساتھ ساتھ یہ المیہ بھی درپیش ہے کہ دنیا کی آبادی میں جس قدر اضافہ ہو رہا ہے انسان اتنا ہی تنہا اور اکیلا ہوتا جارہا ہے۔ ان حالات میں انسان کے احساسِ مروت کو کچلے جانے سے بچانے کے لیے جہاں ادب کے مجموعی فروغ کی ضرورت ہے وہاں ”مزاح“ بھی آبِ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج ہم طنز و مزاح کا ادب اور معاشرے میں موجودگی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا اپنے آپ پر ہنسنا کس قدر آسان ہو گیا ہے۔ مزاح بتدریج ترقی کرتے ہوئے اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ اگر انسان چاہے تو اپنے ماضی پر بہت آسانی سے قہقہہ لگا سکتا ہے۔ یہ مزاح اور مزاح نگار ہی ہیں جو افسردہ لمحوں میں ہنسنے کی وجوہات تلاش کرتے ہیں جو عام آدمی کی نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں۔ اکیسویں صدی میں مزاح نگاری کے تقاضوں پر بات کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آج کے دور میں وہی تخلیق کار ادب کی کسوٹی پر کھرا اترے گا جو دو چار جملوں میں پُر لطف اور فکر انگیز بات کہنے کا ہنر جانتا ہو گا۔ آج کا زمانہ پہیلیاں بجھوانے یا علامتیں بجھانے کی بجائے ابلاغ اور اختصار کا زمانہ ہے۔ تو چلیے دیکھتے ہیں کہ منتخب مزاح نگاروں کا مزاح کس حد تک اکیسویں صدی کے مزاحیہ ادبی تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی: اکیسویں صدی میں جہاں جدیدیت کی بات کی جارہی ہے اس حوالے سے کئی مزاح نگار تو تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اور طنز و مزاح بھی یہ چاہتا ہے کہ اسے آج کے نئے لکھنے والوں کے حوالے کیا جائے۔ اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے پرانی چیزیں اگرچہ دیرپا ہوتی ہیں مگر نئی آنے والی چیز اگر اس میدان میں قدرے نئے رنگ سے پختہ و پائیدار ہو تو اور کیا چاہیے۔ اردو ادب کے شجر پر ”طنز و مزاح“ کی ٹہنی جو نئی کونپلوں سے اس شجر کو مزید سایہ دار بنا رہی ہے تو پرانی پتیوں کی بنیاد و حوالوں کے ساتھ اب اس نئے جھونکے میں کیوں نہ تازہ سانس لیا جائے۔

ڈاکٹر ذوالفقار علی کے مزاح کا اصل موضوع سماجیات ہے اور ان کا ہدف عام قاری ہے۔ ان کا ہر مضمون اصولی طور پر اِسی ٹارگٹ گروپ کے لیے ہے لیکن ادب کا گہرا تعلق ہونے کی وجہ سے اُن کے قلم سے بعض مضامین خالص ادبی بھی سرزد ہوئے ہیں۔ ان کی کتابوں میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والوں کی خوب چٹکیاں لی گئی ہیں۔ چاہے اس کا تعلق سیاست کرنے والوں سے ہو، دھرتی کے رکھوالوں سے ہو، ادب کے لکھاری و قاری سے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہو، دیہاتی سے ہو یا شہری سے ہو، غرض انھوں نے اپنی نگاہ سے صرف طائرانہ جائزہ ہی نہیں لیا بلکہ مکمل ایکسرے سے اپنی تمام حسرتیں پوری کی ہیں۔ سماجی رویوں پر بھرپور مزاح ان کی چاروں کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اپنی کتاب "اٹکھیلیاں" کے ایک مضمون "شادی خانہ بربادی" میں شادی کے متعلق لوگوں کے خیالات کو مزاحیہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح سے دونوں فریقین شادی کا لڈو کھانے کے بعد ساری زندگی اس پر پچھتاوے کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ شادی کے اگلے روز ہی افرادِ خانہ منکر نکیر کی طرح رجسٹر پکڑ کر حساب کتاب میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ کس نے کیا دیا اور کیا لیا اور شادی شدہ جوڑے کو ہنی مون کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ ہنی مون کے متعلق ڈاکٹر ذوالفقار علی کا خیال ہے کہ:

> "ایسے لوگ جو ہنی مون کے شوقین ہوتے ہیں ان کو 'ہنی مونیا' کا مریض کہا جاتا ہے۔ "ہنی مونیا" بھی "نمونیا" کی بگڑی ہوئی شکل کا نام ہے فرق ان دونوں میں صرف یہ ہے کہ نمونیا میں آدمی کو "پالا" لگتا ہے اور ہنی مونیا میں "پالا پڑ" جاتا ہے"۔ (۳)

مضمون "مفت خوری" میں ہمارے معاشرے کے مفت خوروں کی بہت عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ مصنف بتاتے ہیں کہ ہمارا سامنا اپنی روزمرہ زندگی میں مختلف قسم کے مفت خوروں سے ہوتا ہے۔ سب کی زندگی میں کچھ ایسے لوگ شامل ہوتے ہیں جن کی نظر ہمیشہ دوسروں کے بٹوے یا کچن پر رہتی ہے۔ بعض مفت بروں کا طریقِ زمانہ سازی کا انداز ملاحظہ ہو کہ وہ چودہ اگست پر جھنڈیاں لگانے کی بجائے اپنے گھر کے باہر تیر کا نشان پڑوسی کے گھر کی طرف لگا دیتے ہیں جس نے جھنڈیاں لگائی ہوتی ہیں۔ قانون دان قانون کو ہتھیار بنا کر مفت خوری کرتا ہے تو پولیس والا اپنی وردی کا رعب جما کر غریب عوام سے پیسہ لوٹتا ہے۔ مفت خوری جیسی قبیح بیماری سے محکمہ تعلیم بھی مبرا نہیں ہے۔ آج کا استاد اپنے شاگرد کے ساتھ اس طرح ڈیل کرتا ہے جیسے بزنس مین اپنے 'کلائنٹ' کے ساتھ۔ دورِ حاضر میں جامعات میں زبانی امتحان کے موقع پر بھی میلہ مفت خوری منانے کا رواج عام ہے۔ مفت خوروں کی ایک قسم ان بے مطالعہ قارئین کی ہے جو مصنف سے کتاب مفت پا لینے کے مستقل خواہش مند رہتے ہیں اور جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ وہ مصنف کے آٹو گراف کے ساتھ ملی کتاب کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کے بے شمار مفت خورے ہمیں اپنے معاشرے میں اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں جو "مفت خوری" کو "ہوا خوری" کی طرح فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ذوالفقار علی کے موضوعات کے متعلق ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا رقمطراز ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

"وہ موضوع کے بارے میں خوب غور کرتے ہیں اور اس کے بارے میں سنجیدہ نکات کو مزاحیہ اسالیب میں ادا کرنے کے لیے تمام مضحک پہلوؤں کو کمال ہنر مندی سے دِکھاتے ہیں اور اہم ترین بات یہ ہے کہ انھوں نے مزاح کے لیے معاشرے کے جن پہلوؤں کو چنا ہے اس کی طرف دوسروں کی نظر بالعموم نہیں پڑی"۔ (۴)

پاکستان وہ واحد ملک ہے جس میں ہر کام ڈنڈے کے زور پر کروایا جاتا ہے۔ غریب عوام نے جب جب اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کی ہے اقتدار پر بیٹھے خدائی فوجداروں نے تب تب لاٹھی چارج کے ذریعے اس آواز کو بند کروایا ہے۔ لاٹھی چارج پاکستان کا مشہور عوامی کھیل ہے۔ ہمارے یہاں مختلف قسم کی لاٹھیاں غریب آدمی کو برداشت کرنی پڑتی ہیں مثلاً مہنگائی کی لاٹھی، پولیس کی لاٹھی، بیوروکریسی کی لاٹھی، فوج کی لاٹھی، ماسٹر کی لاٹھی، جمہوریت کی لاٹھی اور میڈیا کی لاٹھی وغیرہ۔ ایسی بیشتر لاٹھیوں کا تذکرہ "اٹکھیلیاں" کے مضمون "لاٹھی چارج" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ہمارے سماج میں "ہوشیار" کا لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے اور اس لفظ کو مختلف معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لفظ کی اسی کثرت کے پیشِ نظر ڈاکٹر ذوالفقار علی نے اپنی کتاب "چھیڑ چھاڑ" میں "ہوشیار" کے نام سے ایک مضمون قلم بند کیا ہے۔ اس موضوع پر مضمون لکھنے کا مقصد قارئین کو اس لفظ کی اہمیت اور اس کے استعمال کا احساس دلانا ہے۔ اکثر اوقات ہوشیار کا لفظ منفی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ سعادت حسن منٹو اپنے مضمون 'کھانسی پر' میں حضرتِ انسان کی ہوشیاریوں پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس نے کھانسی جیسی بیماری سے بھی مندرجہ ذیل کام لینا شروع کر دیے ہیں:

"پاخانے میں محو اجابت ہیں۔ دروازے میں کنڈی نہیں۔ ذرا آہٹ ہوئی تو کھانس دیا۔ مطلب یہ کہ نو ویکنسی! دور کوٹھے پر کھڑی ایک عورت اپنے بال سکھا رہی ہے۔ پیٹھ آپ کی طرف ہے جی چاہتا ہے اس کی شکل دیکھی جائے۔ گلے میں ذرا سرسراہٹ پیدا کی اور تیکھی سی 'کھوں' ہوا میں پھینک دی، یوں چٹکی بجانے میں مطلب حل ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔"۔ (۵)

مصنف نے اپنی کتابوں میں یوں ہی چلتے پھرتے کسی پر آواز نہیں کسی ہے۔ وہ آئینہ لیے ہر شخص کے منہ کے سامنے پیش نہیں ہوئے۔ نہ ہی ادبی حلقوں میں نام و شہرت کمانے کے چکروں میں سطحی بیانات کا سہارا لیا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے۔ہاں البتہ مصنف نے اپنی کتابوں کے پیش لفظ اور دیباچے قاری اور تنقید نگاروں پر رعب ڈالنے کے لیے بڑے دھانسو قسم کے لکھوائے ہیں،ان لکھنے والوں میں ادب کے بڑے بڑے نام شامل ہیں۔لیکن ان کی کتابوں میں مزاح نگاری کے حوالے سے مجھے نئی چیز جو محسوس ہوئی ہے وہ لفظوں یا تراکیب پر ہونے والی تحقیق ہے۔ان کی ہونے والی محنت ان کے ہر لفظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ایک تخلیق کار صرف گماں کا سہارا لے کر جملے کشید نہیں کرتا،وہ سوچ سمجھ کر مشاہدے کی بھٹی سے گزار کر پھر اسے صفحے پر لاتا ہے اور یہ کوئی عام بات نہیں ہے۔ڈاکٹر محمد کامران ان کی مزاح نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”ڈاکٹر ذوالفقار علی 'اٹکھیلیاں'اور'چھیڑ چھاڑ' کرتے کرتے،'چٹکیاں'بھرنے کا چسکا لینے کے بعد اپنی تخلیقی ترنگ میں مشروبِ لطافتِ ہنر کی'چسکیاں' لینے پر اُتر آیا ہے۔اس نے اپنی ذکاوت سے آبِ سادہ کو آبِ رنگین بنا دیا ہے۔اس کا مزاح پھلجھڑیوں جیسا آتش باز ہے۔وہ کبھی شگوفے کِھلاتا ہے، کبھی محفل کو کشتِ زعفران بنا دیتا ہے۔آغازِ سفر میں وہ لفظوں کے توتے مینا بناتا تھا، جملے گھڑتا تھا،شرارتیں کرتا تھا،خود بھی ہنستا تھا،دوسروں کو بھی ہنساتا تھا مگر اس کے مزاح کی تہ میں غم کا وہ آفاقی احساس نہیں تھا جو مزاح کو ادبِ عالیہ بناتا ہے مگر'چسکیاں'میں اُس کے مزاح میں غمِ دوراں کی آنچ شامل ہونے سے وہ ایک پختہ کار مزاح نگار بن گیا ہے“۔(۶)

ان کی حال ہی میں شائع ہونی والی کتاب'چسکیاں'میں جن موضوعات کا چناؤ کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ان مضامین میں باجا بردار،ٹوکا،لفافہ اور'ہم میچور ہیں' خصوصیت کے حامل ہیں۔یہ ایک تیر سے دو شکار کی بجائے سہ شکار سے بھی آگے کی محنت ہے۔ایک پلیٹ میں رکھے بیسیوں کھانوں کا مزہ ہر کوئی نہیں دے سکتا ہے اور یہ کام چسکیوں نے بخوبی انجام دیا ہے۔'ہم میچور ہیں'میں جو شادی کے مسائل،حسیناؤں اور دانشوروں کے میچورٹی کے معیار اور پی۔ایچ۔ڈی اسکالرز کو مہینے دو مہینے آگے دینے والی تواریخ کا ذکر قابلِ غور ہے۔

'حلقہ اربابِ جوک'ایسا مضمون ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ حلقے والے تخلیقات کے ایسے نکات پر بحث کرتے ہیں جن سے ان کا دُور دُور تک کا واسطہ نہیں ہوتا۔اس مضمون میں انھوں نے شاعر،ادیب،مبصر،ناقد غرض ہر وہ شخص جو آسماں پر اڑ رہا ہے اور خلا تک پہنچنے کے جتن میں ادب اور معاشرے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے افراد سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے کو زمینی دنیا میں واپس لانے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضمون ادبی شخصیات کے ظاہر و باطن کے تضاد کو ظاہر کرتا ہے۔ پورے مضمون کا نچوڑ آخری چند جملوں میں اس طرح نکالا گیا ہے کہ:

> "حلقہ اربابِ جوک وہ مقامِ عبرت ہے کہ جہاں جوک سننے میں کم اور دیکھنے میں زیادہ نظر آتے ہیں۔ شعر وادب سے جوک کرنے والے یہ قلمی جوکر تخلیقِ شعر وادب کے عملیے کو بھی سرکس ہی کی کوئی آئٹم، خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات فکری جمناسٹک کے علاوہ کوئی دوسرا تاثر قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو پاتیں۔۔۔۔۔ در حقیقت حلقہ اربابِ جوک ادبی نابغینِ بے روزگار کا ایسا پلیٹ فارم ہے جس کے دروازے جانے والوں کو اپنے لیے بند اور نئے داخل ہونے والوں کو ہمیشہ کھلے ملتے ہیں"۔ (۷)

'لفافہ' ایسے شاپروں کی کہانی مختلف انداز میں سناتا ہے کہ مجھے "پیسہ پھینک تماشہ دیکھ" والی بات اس کے آگے معمولی سی دکھائی دینے لگی ہے۔ میں اپنی زبان میں اسے بند مٹھی کی کارستانی کہوں گی کہ یہ جس کے ہاتھ آجائے تو آپ ہر وہ کام کرواسکتے ہیں جسے سوائے خدا کے اور کوئی نہیں روک سکتا۔ آنے والے وقتوں میں قوی امکان ہے کہ یہ زمینی انسان خدا کو بھی ایک ایسا ہی لفافہ پیش کر دیں جس میں سوائے شرمندگی کے کچھ نہ ہو گا۔ جب کسی قوم میں کرپشن اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو قدرت ان کی بد اعمالیوں کی سزا انھیں بُرے حکمرانوں کے ذریعے دیتی ہے۔ اس مضمون میں منافع خوروں، ناجائز الاٹیوں، لائسنس بیچنے والوں، چوروں، سمگلروں اور دیگر ملک دشمن عناصر کو طشت از بام کرنا مصنف کا اصل مقصد تھا۔ یہ لوگ ساری عمر گناہ کرنے کے بعد آخری عمر میں جب انھیں بخشوانے کے لیے خانہ کعبہ کا رُخ کرتے ہیں تو حساس دل کانپ اٹھتا ہے۔

'تماشے مرے آگے' نے مجھے سیاست، ریاست، معیشت، عوامیت اور حکمرانیت وغیرہ جیسے ہر اس شعبے کی ننگی تصور دکھائی ہے کہ جس کا میں بھی حصہ ہوں اور آپ بھی۔ ہم ایمان کے اس کمتر درجے پر فائز ہیں جسے صرف دل سے بُرا جانا جاتا ہے۔ کیوں کہ زبان کھولنے پر ہمارا وجود صفحہ ہستی سے یا تو مکمل مٹا دیا جاتا ہے یا ہمیں کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا جاتا۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے یہی سنتے آئے ہیں کہ ملک نازک دور سے گزر رہا ہے۔ جب کوئی مائی کا لال ملک کی ترقی کے لیے سوئی ہوئی قوم کو جگانے کی کوشش کرتا ہے تو نازک دور اِسے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ غربت نے کسی کے سر سے ردا چھین لی اور کسی کو مال کی کثرت نے عریاں کر

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

دیا۔میرے خیال میں ہمارے ملک کی ساری خرابیوں کو ایک چھوٹی سی 'جوں' دور کر سکتی ہے اگر وہ حکام کے کانوں پر رینگنا شروع کر دے۔ مصنف کا سیاسی رہنماؤں کے متضاد رویّوں کا اندازِ بیان ملاحظہ ہو:

> "کسی سیاسی پنڈت نے کیا خوب کہا ہے کہ جب کسی حکمران کو قوم کا غم کھاتے دیکھو تو جان لو کہ یہ نوبت اس لیے آئی ہے کہ خزانہ خالی ہے کیونکہ حکمران اتنے بھی بے وقوف نہیں ہوتے کہ خزانے جیسی ڈِش کی موجودگی میں صرف غم کھانے پر لگے رہیں"۔ (۸)

'کانفرنس بازیاں' مجھے اپنے اس دور میں لے گئیں جب ہم میچور نہیں تھے اور ہر ایسی ادبی تقریب اور کانفرنس میں ٹانگ اڑانا اپنا قومی اور مذہبی فرض سمجھتے تھے جہاں صرف اور صرف ہمیں حیرت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔تب ہمیں اپنے بڑوں کے آگے بولنا نہیں آتا تھا۔لحاظ، تمیز، احترام ہمارے لکھے لکھائے مقالے ہم سے چھنوا لیتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ ہم نے بغاوت کر ڈالی اور اس کے بعد سے اب تک کسی ایسی تقریب میں دعوت نامے ملنے کے باوجود نہیں گئے۔اب جی چاہتا ہے تمیز، لحاظ اور احترام کو تو ملحوظِ خاطر ہی رکھا جائے لیکن اپنا کام کسی اور نام سے اپنے ہی سامنے ٹوٹے دل کے ساتھ نہ سنا جائے بلکہ خود سنایا جائے۔چاہے ہمارے تعلقات کرائے پر لانے والے دوستوں پر ہی کیوں نہ مشتمل ہوں کیوں کہ اس کے بعد تو ہمارے بڑوں نے ہمارے لیے واہ کی تالی نہیں بجانی۔"کورونا" کی وجہ سے عالمی سطح پر جہاں اور بے شمار تبدیلیاں آئیں ہیں وہاں پر آن لائن ادبی کانفرنسوں کا نشہ بھی سر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔ادبی اداروں میں یہ کانفرنسیں ایک فیشن کی صورت اختیار کر گئیں ہیں۔ان کانفرنسوں میں آپ کو اکثر و بیشتر وہ لوگ ملیں گے جو 'بڑے استاد' ہیں اور جو کمرہ جماعت میں جانے کی بجائے کانفرنس ہال میں جانا اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا مقالہ چاہے مجوزہ موضوع کے مطابق نہ بھی ہو لیکن وہ اپنی مہارت سے ایک ہی مقالے کی کانٹ چھانٹ کر کے اسے بیسیوں کانفرنسوں میں پڑھنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔ان کانفرنسوں میں آنے والے بعض لوگ صحیح معنوں میں کانفرنس کے موضوع سے بھی آگاہ نہیں ہوتے اور بس ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اداکاری کرتے چلے جاتے ہیں۔ایسے بے شمار ادبی و سماجی رویوں کی بھرپور عکاسی مصنف نے اپنے اس مضمون میں کی ہے۔انجم مانپوری اپنی کتاب "طنزیات مانپوری" میں ایسے ہی ایک سماجی رویے کا بیان بڑے خوبصورت انداز میں کرتے ہیں کہ:

> "سال بھر میں صرف ایک بار عید کی نماز کی نوبت آتی ہے تو اس کے متعلق کہاں تک آدمی یاد رکھے کہ اس میں اتنی تکبیریں ہوتی ہیں۔اس طرح نیت کی جاتی ہے اور یہ پڑھا جاتا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے۔اس لیے جو نیت امام کی وہ میری، کہہ کر تحریمہ باندھ لیا۔ابھی دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر رکھ کر تحریمہ کو کس کر مضبوط باندھا بھی نہیں تھا کہ پیش امام صاحب اور ساتھ ہی اس کے مکبر کی اللہ اکبر کی آواز کان میں پہنچی، جھٹ رکوع میں چلا گیا، اب جو رکوع میں جھکا ہوا کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں تو سوائے میرے سب کے سب جوں کے توں ویسے ہی کھڑے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ واللہ امام صاحب نے کیا دھوکا دیا۔ یہ اگل بغل والے میری اس حرکت پر مجھے کیا سمجھتے ہوں گے۔ مجبوراً مجھے اپنی یہ رکوع واپس لینی پڑی"۔(۹)

ڈاکٹر ذوالفقار علی نے جب اپنی پہلی کتاب "اٹکھیلیاں" لکھی تو اس وقت ان کی عمر میں وہ پختگی نہیں آئی تھی جو ادب کا ٹھیکیدار بننے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔"اٹکھیلیاں" کی تخلیق کے وقت مصنف کے کھیلنے کھانے کے دن تھے لیکن مصنف اکیلا نہ تو کھیلنے کا عادی ہے نہ کھانے کا۔ مصنف نے اپنے گرد و پیش میں جو دیکھا جو محسوس کیا اس کو چھوٹی چھوٹی کہانیوں کی شکل میں "اٹکھیلیاں" میں بیان کر دیا۔"اٹکھیلیاں" میں جن موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے وہ ایسے موضوعات ہیں جنہیں ہم روز دیکھتے ہیں لیکن ایک مزاح نگار کا چیزوں کو دیکھنے کا انداز ہمیشہ مختلف ہوتا ہے۔وہ چیزوں کو گہری نظر سے دیکھتا ہے اور انہیں مسکراہٹوں میں پرو کر صفحہ قرطاس پر بکھیر دیتا ہے۔ان کی تحریر کو پڑھتے ہوئے قاری کہیں بھی اجنبیت یا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

اورینٹل نامہ، لوکل بس سے کالج تک، کنوارے بے روزگار اور شادی خانہ بربادی محدود پس منظر میں لکھی گئی تحریریں ہیں۔ تاہم مصنف جب چاہے آپ کو ایک دائرے سے نکال کر دوسرے دائرے کی سیر کرا سکتا ہے۔اس جہانِ نو کی سیر کے حوالے سے ڈاکٹر ذوالفقار علی کی 'ائیر پورٹ' اور 'کریدتے ہو جو اب راکھ' اچھی مثالیں ہیں۔

'بیمارستان' میں ہسپتالوں کی اندرونی فضا کو پیش کیا گیا ہے۔ڈاکٹروں کی اقسام اور ان کی عادات کا ذکر کیا گیا ہے جس میں کہیں کہیں طنز کی کاٹ بھی نظر آتی ہے لیکن غالب رجحان مزاح کا ہی ہے۔زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ طب کے میدان نے بھی ترقی کر لی ہے جہاں مریضوں کے علاج کے لیے ایک حکیم ہوا کرتا تھا اب وہاں جسم کے ہر عضو کے علاج کے الگ الگ ڈاکٹر ہیں۔ایک قسم ہاؤس جاب کرنے والے نیم ڈاکٹروں کی بھی ہوتی ہے جو صرف مینڈکوں کا ہی درست آپریشن کرتے ہیں کیونکہ اس آپریشن پر ان کے مستقبل کا دارومدار ہوتا ہے۔اس

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

مضمون میں مصنف نے سماج کے مسیحاؤں کے روپ میں چھپے ان لالچی بھیڑیوں کا پردہ نہایت چابک دستی سے فاش کیا ہے۔یہ شعبہ جسے انسانیت کی خدمت اور فلاح کے لیے قائم کیا گیا تھا اس میں لالچ اور خود غرضی در آئی ہے۔ڈاکٹروں کی حرکات ملاحظہ کریں:

> "ڈاکٹر حضرات اسٹیتھو سکوپ سے مریض کا دل چیک کرنے کے بجائے اس کی جیب چیک کرتے ہیں۔ آپریشن کے وقت سوئیاں پیٹ کے اندر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ سوئیاں نکالنے کے الگ پیسے وصول کیے جاسکیں"۔(۱۰)

'براتِ عاشقاں' میں عاشقوں کی اقسام بیان کی گئی ہیں اور معشوقوں کا ذکر بھی کچھ ایسے انداز سے کیا گیا ہے کہ عاشق و معشوق لازم و ملزوم کے بجائے ظالم و مظلوم نظر آتے ہیں۔ان معشوقوں کا بھی کیا کہنا کہ درجن بھر بچے پیدا کر کے بھی اپنے خاوند سے شکوہ کناں رہتی ہیں کہ ہمیں ابھی تک سچا پیار نہیں ملا۔عاشقوں کی ایک قسم ایسی ہوتی ہے جو اپنی محبوبہ کے سامنے اپنی بیوی کو دنیا کی ظالم ترین عورت ثابت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔گاؤں میں سستے قسم کے عاشق گلی کی ہر نکڑ میں آپ کو دیکھنے کو ملیں گے جن کی حرکات و سکنات کا عمدہ اظہار مصنف کے اس مضمون میں ملتا ہے۔"اٹکھیلیاں" کا ایک اور مضمون 'پینڈو پروڈکشن' بھی اسی نوعیت کا ہے۔البتہ شہری عاشقوں کا حلیہ اور طور طریقے دیہاتیوں سے قدرے مختلف ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد ایوب مصنف کے مضامین کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> "ان کے مضامین کے اندر تنوع ہے اور انھوں نے اپنے موضوعات میں نہ صرف دیہات کی سادہ زندگی کو پیش کیا ہے بلکہ شہری زندگی اور اس کی مصروفیات پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ قوتِ مشاہدہ ہمارے اردگرد پھیلی ہوئی عام چیزوں کو بھی اس انداز سے پیش کرتی ہے کہ یہ معمولی چیزیں بھی ہمیں اپنی جانب نہ صرف متوجہ کرتی ہیں بلکہ چیزوں کو پرکھنے کا ایک نیا اور منفرد زاویہ نگاہ بھی دیتی ہیں"۔(۱۱)

المیہ اور طربیہ کے سوتوں کا مآخذ ایک ہی ہے،یعنی زندگی، تجربہ،مشاہدہ، گیان اور دھیان وغیرہ۔عموماً مزاح سے غلط طور پر غیر سنجیدگی مراد لی جاتی ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو مغرب کے بڑے مزاح نگار، مثلاً جان پوپ، سوفٹ، اسٹیفن لی کاک، مارک ٹوین اور ہمارے ہاں مشتاق احمد یوسفی، پطرس بخاری، کرنل محمد خاں، شفیق

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

الرحمٰن، ابنِ انشا' باقاعدہ' اور 'بے قاعدہ' ہر دو طرح سے 'سنجیدہ' افراد تھے۔ کون ہے جس کی آنکھ میں "آبِ گم" نمی نہیں لاتی۔

مزاح تحریر کرنا بظاہر آسان کام دکھائی دیتا ہے، مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ گذشتہ دو دہائیوں میں اردو ادب میں مزاح نگاری کے حوالے سے جتنے بھی نام سامنے آئے ہیں ان میں ڈاکٹر ذوالفقار علی کا ایک منفرد اور نمایاں مقام ہے۔ نہایت سنجیدہ طبیعت کے مالک اس شخص کو پہلی نظر میں دیکھ کر کوئی بھی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اتنا اچھا مزاح بھی تخلیق کر سکتا ہے۔ "اٹکھیلیاں" مصنف کی پہلی کتاب اور کم عمری میں لکھے گئے مزاحیہ مضامین کا ایسا مجموعہ ہے جو مصنف کے اعلیٰ ذوق کی عمدہ مثال ہے۔ 'اولڈ پیپل نیو ہاؤس' اس مجموعے کا واحد ایسا مضمون ہے جو طربیہ کم اور المیہ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ اس مضمون میں جس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے اس پر ہمارے ہاں بہت کم لکھا گیا ہے اور شاید اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ہمارے یہاں ابھی ایسی صورتِ حال نہیں ہے۔ لیکن مغرب کی اندھا دھند تقلید کے قومی مزاج کے باعث مستقبل میں خدشہ ہے کہ مغرب کی طرح پاکستان میں بھی 'اولڈ ہاؤس' کھول دیے جائیں گے۔ اس مضمون کو پڑھتے وقت قاری پر ایک عجیب سا سحر طاری ہو جاتا ہے جو اسے غور و فکر اور اپنی مٹی سے محبت کی دعوت دیتا ہے۔ اس مضمون میں مصنف اپنے قاری کو اپنے ساتھ ایک اولڈ ہوم کی سیر کراتا ہے۔ اولڈ ہوم میں دو بابوں کے مکالموں کے ذریعے مصنف نے ہمارے عہد کے بزرگوں کے جذبات کی جس طرح ترجمانی کی ہے وہ قابلِ داد ہے۔ ایک بابے سے مصنف کا اندازِ گفتگو ملاحظہ ہو:

> "باباجی آپ کے کتنے بچے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ایک مجسٹریٹ، دو سیکرٹری اور ایک بزنس مین چار ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی میرا بچہ نہیں رہا انھیں زمانے نے اغوا کر لیا ہے اور ان سے بیگار لے رہا ہے"۔ (۱۲)

ڈاکٹر ذوالفقار علی کے مزاح کا دائرہ صرف ملکی سطح تک ہی محدود نہیں بلکہ انھوں نے بین الاقوامی سطح کے تاریخی موضوعات کو بھی اپنے مزاح کا حصہ بنایا ہے۔ مضمون 'کریدتے ہو جو اب راکھ' ان کی عالمی سطح پر ہونے والے واقعات سے باخبر رہنے کی عمدہ دلیل ہے۔ اس مضمون میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی اور امریکیوں کی مکاریوں کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ 'ائیر پورٹ' بھی اسی نوعیت کا ایک مضمون ہے۔ ڈاکٹر انور سدید مصنف کے مزاح کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

"ڈاکٹر ذوالفقار علی کے ہاتھ میں ایک قسم کا آئینہ ہے جو ہر تصویر کو مضحک بنا کر منعکس کرتا اور اس انعکاس سے ایک بے ساختہ مسکراہٹ کو جنم دیتا ہے۔ وہ بظاہر بات سنجیدگی سے کرتے ہیں لیکن اسے مرتب اس سلیقے سے کرتے ہیں کہ بات کے باطن میں چھپا ہوا مزاح برآمد ہو جاتا ہے"۔ (۱۳)

مزاح نگار جس قدر حساس ہوتا ہے اس قدر شاید کوئی اور ہو۔ اس کا ظرف عالی اور حوصلہ بلند ہوتا ہے۔ سوسائٹی کی ناہمواریوں، زیادتیوں اور ظلم کو صرف ساحل کے تماشائی کی طرح نہیں دیکھتا وہ اس کا غواص بھی ہوتا ہے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کے لیے کتنے آنسوؤں کو پلکوں پر سجاتا اور کتنی آہوں کو سینے میں چھپا لیتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ 'آنٹیاں آن لائن' ڈاکٹر ذوالفقار علی کی مزاح کے موضوع پر دوسری کتاب "چھیڑ چھاڑ" کا ایک ایسا مضمون ہے جس میں مصنف نے ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت کا ذکر کیا ہے۔ اس مضمون میں دراصل جدید معاشرے کے مخصوص سائنٹفک اور ٹیکنیکل "آنٹی کلچر" کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جسے بعض زندہ دل لوگ زندہ دلی اور موج مستی بھی قرار دیتے ہیں۔ موجودہ دور میں آنٹیوں کی بے شمار قسمیں پائی جاتی ہیں۔ یہ آنٹیاں مختلف شعبوں میں اپنی خدمات سرانجام دیتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ کام جو رشوت اور سفارش سے بھی نہیں کروایا جا سکتا وہ آنٹیاں اپنی ایک فون کال سے نکلوا لیتی ہیں۔ یہ آنٹیاں ہماری اخلاقی قدروں کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ ایسی آنٹیوں کو پسند کرنے والوں کے تیور دیکھیے:

"جو آنٹیوں کو پسند کرتے ہیں ان کم بختوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اگر وہ جسمانی طور پر بھی بیمار ہو جائیں ان کو اینٹی بائیٹک دوا کے بجائے "آنٹی بوائے ٹک" دوا سے ہی آرام آتا ہے"۔ (۱۴)

اکیسویں صدی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں کوئی چیز بھی ذاتی نہیں رہی۔ انسان چاہ کر بھی اپنی ذاتی معلومات یا ذاتی چیزوں کو چھپانے سے قاصر ہے۔ ٹیکنالوجی کے حوالے سے مغرب سے جہاں ہم نے بے شمار اچھی چیزیں لی ہیں وہاں کئی برائیوں کو بھی اپنا لیا ہے۔ مشرقی معاشرے میں "کم لباسی" ایک ایسی برائی ہے جسے سو برائیوں کی جڑ سمجھا جاتا ہے اور یہ برائی بھی مغرب کی دین ہے۔ "کم لباسی" ایک ایسی برائی ہے جو ہمارے معاشرے میں آگ کی طرح پھیل رہی ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

'صاف چھپتے بھی نہیں'عورتوں کے لباس کے حوالے سے ایک ایسا مضمون ہے جس میں مزاحیہ انداز میں کم لباسی کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔دورِ حاضر میں ماڈرن ازم کے نام پر مشرقی خواتین بھی لباس کو مختصر سے مختصر تر کرتی چلی جا رہی ہیں۔ان کا ماننا ہے کہ لباس سے ان کی صلاحیتیں کھل کر سامنے نہیں آتیں لہذا ترقی کی اس دوڑ میں شامل ہونے کے لیے ماڈرن لباس پہننا بہت ضروری ہے۔عورتوں کے لباس کے حوالے سے دورِ حاضر کے مشہور مزاحیہ شاعر انور مسعود کا کہنا ہے کہ:

آثار بہتری کے کہیں دور تک نہیں
اطوار نسلِ نو کے کچھ ایسے بگڑ گئے
وہ دن کہاں سے لاؤں کہ انور جن دنوں
"اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گئے (۱۵)

کسی بھی قوم کی ترقی اور خوشحالی کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی نئی نوجوان نسل کو اپنے ماضی سے آگاہ کریں۔ان کو تاریخ پڑھائیں۔ان کو اپنی تہذیب و ثقافت سکھائیں کیونکہ قومیں ہمیشہ اپنی تہذیب اور اقدار سے پہچانی جاتی ہیں نہ کہ صرف کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ سے۔'گھگھو گھوڑے'مصنف کا ایسا مضمون ہے جو مسلمانوں کے تاریخی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔اس میں مغلیہ دور کے انسان کا موازنہ کمپیوٹر کے دور کے انسان کے ساتھ کیا گیا ہے۔مغرب کی اندھا دھند تقلید میں ہم اس حد تک آگے نکل چکے ہیں کہ اگر ہم اسی طرح مغربی تہذیب کا روغن اپنے اوپر چڑھاتے رہے تو ایک دن ہم مشرقیت کو ترس جائیں گے۔دورِ حاضر کی نوجوان نسل کا مغربی تقلیدی مزاج دیکھ کر مصنف کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔وہ اپنی نوجوان نسل کو یوں تاریکی کے اندھیروں میں جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے بیشتر مضامین میں مشرقی و مغربی تہذیب کا موازنہ کرتے ہوئے اپنے قاری کو مغرب کا مکروہ چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔

مہذب طریقے سے زندگی گزارنے کے لیے زبان کا ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندہ رہنے کے لیے سانس کا۔اگر اردو زبان کی بات کی جائے تو پاکستان بنانے کے اہم ترین مقاصد میں ایک مقصد اردو زبان کا تحفظ اور فروغ بھی تھا۔لیکن ہماری بد قسمتی دیکھیے کہ اس زبان کو تحفظ اور فروغ دینا تو ایک طرف ہم اس کے استعمال کو بھی اپنے لیے شرمندگی کا باعث سمجھتے ہیں۔حد تو یہ ہے کہ ہم نوجوان نسل کو تعلیم بھی اپنی زبان کی بجائے غیر کی زبان

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

میں دے رہے ہیں۔ کرنل محمد خاں اپنی کتاب "بزم آرائیاں" کے ایک مضمون 'خیالاتِ پریشاں' میں ہمارے نظامِ تعلیم سے متعلق ایک انگریز ماہر تعلیم کی رائے قلم بند کرتے ہیں:

> "بھئی آپ کی ہمت قابلِ داد ہے جو اپنے بچوں کو ایک غیر زبان کے ذریعے تعلیم دے رہے ہو۔ اگر میں انگلستان میں انگریز بچوں کو اردو کے ذریعے تعلیم دینے کی سفارش کروں تو مجھے یقیناً اگلی رات کسی دماغی ہسپتال میں کاٹنی پڑے گی۔ آپ واقعی بہادر قوم ہیں۔ خدا جانے اس انگریز کے ذہن میں کون سا لفظ تھا جس کی جگہ بہادر استعمال کر رہا تھا"۔ (۱۶)

'اردو ہے جس کا نام' چھیڑ چھاڑ کا ایسا مضمون ہے جس میں امتحان میں جوابات کے وقت لگائے جانے والے تکوں اور اردو دشمن عناصر کا تفصیلی تذکرہ ملتا ہے۔ وہ لوگ جو اردو کے محافظ و نگہبان بنے بیٹھے ہیں ماسوائے چند ایک کے کسی کو اس کی ترقی کا خیال نہیں آیا۔ کوئی ایسا نہیں ملتا جو اس زبان کو بھی جدید تقاضوں پر پورا اتارنے کا خواہاں ہو۔ دورِ حاضر میں اردو ادب کے ترقی نہ کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے فن پارہ تخلیق کرنے کا نہیں بلکہ سرقہ کرنے کا فن بخوبی سیکھا ہے۔ اس حوالے سے مصنف کے خیالات ملاحظہ ہوں:

> "یہاں امتحانی پرچوں اور تحقیقی مقالات میں محض یہ فرق ہے کہ امتحانی پرچوں میں اپنی ذاتی آراء بڑے بڑے ناقدین کے نام سے منسوب کر دی جاتی ہیں اور تحقیقی مقالات میں بڑے بڑے ناقدین اور محققین کی آراء اپنے کھاتے میں ڈال لی جاتی ہیں"۔ (۱۷)

'تحقیق کاریاں' خالص ادبی مضمون ہے۔ تحقیق کاریاں کے عنوان سے ہے۔ اس مضمون میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے محققین کی تحقیق کاریوں کو آڑے ہاتھوں لیا گیا ہے۔ آج کے محققین بات سے بات نکالنے کی بجائے کتاب سے کتاب نکالنے کے قائل ہیں۔ مصنف کے نزدیک پی۔ایچ۔ڈی سکالر کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھنے کا انداز کچھ یوں ہوتا ہے:

> "ہمارے ایک دوست ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہے تھے۔ وہ بہت جلد مقالے کا باب لکھ لیتے اُن کا طریقہ واردات یہ تھا کہ وہ میز پر کتابوں کا ڈھیر لگا لیتے اور پھر فال نکالنے والے طوطے کی طرح آنکھیں بند کر کے ایک کتاب اُٹھاتے، کتاب کھولتے اور پھر آنکھیں کھولتے جہاں نظر پڑتی وہیں سے دو تین سطریں گھسیٹ دیتے۔ اسی طرح باری باری ساری کتابوں سے ان کا تحقیقی مقالہ مکمل ہوا۔ آخر میں انھوں نے فرمایا کہ اب کوئی اس پہ انگشت

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

نمائی نہیں کر سکتا کہ یہ مقالہ میرا نہیں ہے۔اگر یہ میرا نہیں ہے تو پھر کسی ایک کا بھی نہیں ہے"۔(۱۸)

مصنف نیب کو مشورہ دیتے ہیں کہ ان من چلے محققین کو ریمانڈ کے طور پر لائبریریوں میں بند کر دینا چاہیے۔ اٹکھیلیاں، چھیڑ چھاڑ اور چٹکیاں کے بعد چسکیاں ڈاکٹر ذوالفقار علی کا چوتھا مجموعہ مضامین ہے۔ڈاکٹر ذوالفقار علی کے شگفتہ اور شریر مجموعوں کے نام ہی تبسم زیر لب کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔چسکیاں میں پہلے تینوں مجموعوں کے ذائقے محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ڈاکٹر ذوالفقار علی کے مزاح کا مخصوص فلیور "چسکیاں" میں اور بھی نمایاں ہو گیا ہے جس میں کسی دوسرے مزاح نگار کے ذوق اور ذائقے کی ہلکی سی بھی آمیزش نظر نہیں آتی پہلے مجموعوں کی نسبت "چسکیاں" میں شوخی و شرارت، ضلع جگت، پھبتی، رمز و ایما اور تعریض کے رنگ اگرچہ زیادہ تیز نظر آتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ فکر انگیزی اور دردمندی کے عناصر بھی زیادہ نمایاں ہو گئے ہیں۔مختلف پیشوں، صحافت و سیاست اور تعلیمی اداروں کے علاوہ متعدد سماجی و معاشرتی موضوعات کا تنوع ڈاکٹر ذوالفقار علی کو معاصر مزاح نگاروں میں منفرد مقام عطا کرتا ہے۔

'خود ساختیاتی تنقید' ادبی پس منظر میں لکھا گیا ایسا مضمون ہے جس میں دیسی نقاد بدیسی تھیوری کے چکر میں قارئین کو چکرا کر رکھ دیتے ہیں۔یہ تنقید کی وہ قسم ہے کہ جس میں ٹرانسپیرنٹ سرکہ بھرے مرتبان میں "ملپ" ڈال کر ناظرین کو چند روز میں اس کے سانپ بن جانے کا یقین دلایا جاتا ہے۔خود ساختیاتی تنقید کے لفظ کو ہی اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اپنے آپ ہی میں ایک قید ہے مثلاً (خود + ساخت + یاتی + تن + قید) کا مطلب ہی ایک ایسی قید ہے جو ایک نقاد خود اپنے قاری کے لیے شعوری طور پر تیار کرتا ہے۔اس تنقید کو تنقید بالجبر کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔جدید تنقید کے ان ٹھیکیدار ان کے متعلق مصنف کا کہنا ہے کہ:

> "ہمارے خود ساختہ نقادوں کا حال بھی اس قوال کا سا ہے، جسے والے گھر والے پوچھتے نہیں، باہر والوں سے امیدیں وابستہ کیے بیٹھا رہتا ہے۔ہمارے یہ نقاد مغربی مزاروں کے وہ مجاور ہیں جن کا رزق اسی جاروب کشی سے وابستہ ہے۔اپنے جس عملیے کو یہ حضرات اپنی نظری تنقید قرار دیتے ہیں، اپنی اصل میں وہ تنقید نہیں بلکہ تقلید ہوتی ہے اور اُوپر سے نظری نہیں بلکہ اندھی ہوتی ہے"۔(۱۹)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

اکیسویں صدی میں پوری دنیا ایک دہشت ناک ہنگامی صورتِ حال میں مبتلا ہو چکی ہے۔ آج ساری دنیا کورونالائزیشن یعنی کورونا گردی کی لپیٹ میں ہے۔اس موذی وبا کی وجہ سے عالمی منظر نامہ جس طرح تبدیل ہوا ہے اور انسانی زندگی پر اس کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کا تفصیلی تذکرہ مصنف کے مضمون 'کورونا گردی' میں ملتا ہے۔"کورونا" کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلیاں آئیں ہیں۔ نئی نئی اصطلاحات ادبی دنیا میں رائج ہوئی ہیں۔پاکستانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ بازاروں میں جائز چیزیں بھی دکانوں کے شٹر نیچے کر کے بیچی گئی ہیں۔اس وبا کے متعلق پاکستانی عوام کے رویوں کو مزاحیہ انداز میں مضمون کا حصہ بنایا گیا ہے۔ مصنف کے نزدیک:

> "جہاں تک کورونا کے پازیٹو یا نیگٹیو آنے کا معاملہ ہے اس حوالے سے طے شدہ امر یہ ہے کہ سن ۲۰۲۰ء میں جو نیگٹیو لفظ اپنے تاثرات کے تناظر میں سب سے زیادہ نیگٹیو رہا ہے وہ 'پوزٹیو' ہے"۔ (۲۰)

نائی نامہ، پنڈ کا سواد اور 'صبح کی سیر' دیہی ثقافت کے بہترین عکاس ہیں۔ مصنف نے جہاں شہری زندگی کو مزاح کا موضوع بنایا ہے وہاں دیہات کی خوبصورت تصویر بھی اپنی تحریروں میں پیش کی ہے۔نائی دیہی معاشرت کا ایک اہم رکن ہے۔ گاؤں میں رہنے والے لوگوں کی معصومیت کا انداز ملاحظہ ہو:

> "گاؤں میں ایک دفعہ محکمہ صحت کے اصلاح کنند گان آ گئے۔انھوں نے گاؤں والوں کو بتایا کہ کھانے میں سلاد زیادہ کھائیں۔اس سے آپ کا نہ صرف وزن کم ہو گا بلکہ بیماریاں بھی آپ سے دور رہیں گی اور صاف پانی ہمیشہ اُبال کر پئیں۔اس سے آپ کو ہیپاٹائٹس نہیں ہو گا۔ گاؤں والوں نے ان ساری احتیاطی اور حفاظتی تدابیر کو بکواس اور عبث قرار دیا اور جواباً محکمہ صحت والوں کو کچھ اس طرح کے دلائل سے نوازا کہ یہ بھینسیں تالاب کا گندا پانی پیتی ہیں کیا کبھی ان کو ہیپاٹائٹس ہوا اور یہ دن رات سلاد نما چارہ کھاتی ہیں۔ان کا تو وزن کبھی کم نہیں ہوا"۔ (۲۱)

'کھوچل میڈیا' عہدِ حاضر کے صحافتی نظام پر ایک سوالیہ نشان ہے۔اس مضمون کی کہانی اس جملے میں پنہاں ہے کہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ کمپیوٹر اور موبائل فون کو وقت کی بچت کے لیے ایجاد کیا گیا ہے۔ ۲۰۰۲ء میں "اٹکھیلیاں" سے شروع ہونے والا سلسلہ "چھیڑ چھاڑ" اور "چٹکیاں" سے ہوتا ہوا "چسکیاں" تک اس طرح آ پہنچا ہے کہ آثار بتا رہے ہیں بات یہاں تھمنے والی نہیں بلکہ بہت آگے تک جائے گی۔ڈاکٹر ذوالفقار علی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

کے مزاج کی فطری شگفتگی مستقبل میں کیا گل کھلائے گی اس کا اندازہ ان کے طنز و مزاح کے تازہ مجموعے سے بخوبی ہوتا ہے۔ جس رفتار سے وہ لکھ رہے ہیں ان کے "لکھ پتی" ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا لیکن اپنے موضوعات کی وجہ سے بہت سوں کو لکھ پتی ضرور بنا دیں گے۔ کسی کو شبہ ہو تو ان کے مضامین خود ساختیاتی تنقید، حلقہ اربابِ جوک اور کانفرنس بازیاں ملاحظہ کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر فاخرہ نورین اپنی کتاب "خندہ ہائے زن" میں جن موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں ان کا تعلق "عورت کی ہنسی اور رونے" سے ہے۔ اردو ادب میں جتنے بھی بڑے مزاح نگار سامنے آئے ہیں ان سب نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے حالات و واقعات کو مزاح کا موضوع بنایا ہے۔ مثلاً تمام فوجی مزاح نگاروں کی کتب میں اُن تمام معاملات کا ذکر ملتا ہے جو انھیں فوج کے لیے منتخب ہونے سے لے کر تادمِ تحریر پیش آئے۔ یہاں تک کہ غیر فوجی حضرات میں سے یوسفی نے بینکنگ جیسے شعبے میں اپنے ورود کو جس خوبصورتی سے ذریعہ اظہار بنایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر فاخرہ نورین نے ایک خاتون مزاح نگار کی حیثیت سے اپنی "پیشہ ورانہ" مصروفیات کو اس کتاب میں قلم بند کیا ہے۔ کتاب کے موضوعات خالصتاً نسائی ہیں۔

'قینچی' کے عنوان سے کتاب کے پہلے مضمون میں نسائی جذبوں کا خوبصورت اظہار ملتا ہے۔ عموماً قینچی سے عورتیں چیزوں کی کٹائی خصوصاً کپڑوں کی کٹائی کا کام لیتی ہیں۔ لیکن جس قینچی کا ذکر مصنفہ نے اپنے مضمون میں کیا ہے وہ قینچی عورت اپنے پرس میں رکھنے کی بجائے منہ میں رکھنے کی قائل ہے۔ قینچی سے مصنفہ کی محبت اور دلچسپی مختلف انداز میں اس مضمون میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی مرد اس کی زندگی میں ایسا آئے جو اپنی محبت کی قینچی سے اس کے پَر قینچ کر اسے ہمیشہ کے لیے اپنے قابو میں کر لے اور اپنے ساتھ سے اسے ایک ایسی ڈور کا سہارا مہیا کرے جس سے وہ نہ صرف اونچا اُڑ سکے بلکہ متوازن بھی رہ سکے۔ ہر عورت کی طرح مصنفہ کی بھی یہی حسرت ہے لیکن ان کے نزدیک:

> "کوئی ڈور لینے گیا بھی تو زنجیر لے کر لوٹا اور بضد ہوا کہ ہم اسی کو ڈور سمجھ کر نہ صرف برضاو رغبت اس سے بندھ جائیں بلکہ احسان مندی کے جذبے کے تحت خود اپنے پر کاٹ کر اس کے حوالے یوں کریں جیسے یوسفی کے 'اور آنا گھر میں مرغیوں کا' کی مرغیاں 'سپر دم بتو مایہ خویش را' کہتی ہیں۔ ہم یہ کر بھی جاتے کہ ہماری بہت سی ہم صنف یہی کر لیتی ہیں مگر نہ جانے کیوں ہمیں زنجیر کے ساتھ گائے یاد آتی ہے یا پالتو کتا"۔ (۲۲)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

اکیسویں صدی کے اس دور میں فیشن کے نام پر ہر وہ چیز کروائی جارہی ہے جو ہمارے معاشرے کے لیے نقصان دے ہے۔ ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہم ماڈرن ازم کے چکر میں اپنی تہذیب و ثقافت سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ ترقی کے اس دور میں جدید اور مہذب دکھنے کے چکر میں مشرقی انسان مغرب کی اندھا دھند تقلید کرتا چلا جارہا ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو ماڈرن ازم کے نام پر وہی جہالت پھیلائی جارہی ہے جو اسلام سے پہلے تھی جدید اور ماڈرن تو اسلام تھا۔ ترقی کے اس دور میں جہاں باقی تمام چیزیں بدلی ہیں وہاں انسان کے کھانے کے طور طریقے بھی بدل گئے ہیں۔ 'جس گوشت کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن' میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح مشرقی انسان کو اس کی تہذیب و ثقافت سے دور کر کے مغرب کا غلام بنایا گیا ہے۔ ہم وہ ہیں جن کے پاس ایک عظیم الشان ثقافت تھی۔ ہماری روایات جو ہمارے اجداد کی نفاست، مہارت اور عظمت کی علامت تھیں، وہ سب کہیں دفن ہو گئی ہیں۔ موجودہ دور میں اپنی روایات کو اپنانے کے حوالے سے نئی نسل کے جو تیور ہیں ان کے متعلق مصنفہ کا کہنا ہے:

> "دیسی مرغ پالنے کی طرح ہر دیسی روایت بھی متروک اور باعثِ ذلت بنا دی گئی ہے۔ یاد کرو کیسے دیسی مرغ کی یخنی پی کر قریب المرگ مریض بھلا چنگا ہو جایا کرتا تھا۔ مگر اب یہ شیور چکن بھلے چنگے انسان کو قریب المرگ مریض بنا دیتا ہے"۔ (۲۳)

اس مضمون میں حب الوطنی کا جذبہ نمایاں ہے۔ اس کے ذریعے مصنفہ نئی نسل کو آگاہ کرنا چاہتی ہیں کہ چکن کس طرح انسان کے ہارمونز کو متاثر کر کے معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ مزاحیہ انداز میں نئی نسل کو چکن جیسی بُری بلا سے دور رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ وہ فلسفیانہ انداز میں ایک جگہ گویا ہیں:

> "جب غذا میں غذائیت کے بجائے مزہ مقصود ٹھہرے تو قومیں صحت مند نہیں رہتیں۔ دیسی خوراک اور دیسی پن ترک کر دینے سے ہاضمہ اور پہچان دونوں کو نقصان پہنچتا ہے"۔ (۲۴)

'چھجو کا چوبارہ' میں مصنفہ نے اپنے آبائی علاقے منڈی بہاؤالدین کا ذکر کیا ہے۔ اُس علاقے کی خوبصورتی اور خوبیوں کا ذکر ہے۔ مٹی سے محبت ایمان کی دلیل ہے اور مصنفہ اسلام آباد جیسے جدید ترین شہر میں رہنے کے باوجود کبھی اپنے آبائی علاقے کو نہیں بھول پائیں۔ بلکہ اُس مٹی کی خوشبو آج بھی وہ اُسی شدت سے محسوس کرتی ہیں جیسے بچپن میں کیا کرتی تھیں۔ 'وردی' ایسا مضمون ہے جو خصوصاً خواتین لیکچرار کے متعلق ہے اور انھی کے لیے لکھا گیا ہے۔ یہ مضمون اُن دنوں میں لکھا گیا جب حکومتِ پاکستان کالجوں میں اساتذہ کا یونیفارم مقرر کرنے کا حکم نامہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

جاری کرنے پر غور کر رہی تھی۔ اس مضمون میں ان لیکچرار خواتین کو مصنفہ نے طنز کا نشانہ بنایا ہے جو کمرہ جماعت میں جانے کی بجائے سٹاف روم میں بیٹھ کر سارا سارا دن مختلف برانڈز کے متعلق بحث و مباحثہ کرتیں رہتی ہیں۔ وردی کے متعلق مصنفہ کے مختلف تاثرات اس مضمون میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اساتذہ کے لباس کے متعلق مصنفہ کا خیال ہے:

> "کسی زمانے میں صاف ستھرا لباس اور شائستگی و عمدگی کی تصویر لباس اساتذہ سے منسوب کیا جاتا تھا۔ مگر برانڈز کی دوڑ میں امراء ورؤسا کے ساتھ جو طبقہ بھاگتے بھاگتے ہانپ رہا ہے وہ اساتذہ ہی کا ہے"۔ (۲۵)

ہمارے ملک میں تعلیمی شعور اور ذہانت کی تقسیم کا فارمولا ہی نرالا ہے۔ یہاں پر جو انسان کچھ بھی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کو استاد بنا دیا جاتا ہے۔ قوم کا معمار بنا دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج نہ ہی پہلے جیسے استاد رہے ہیں اور نہ شاگرد۔ تعلیمی نظام سارا درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی قسم کی صورتِ حال کے پیشِ نظر علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

تھے وہ بھی دن کہ خدمتِ استاد کے عَوض
دل چاہتا تھا ہدیہ دِل پیش کیجیے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ "بل پیش کیجیے! (۲۶)

'عیاری کے سات جنم' پاکستانی معاشرے اور طبِ یونانی پر طنز کی عمدہ مثال ہے۔ 'کلامِ کالم' میں اپنی مشکل پسندی کو چھوڑ کر عام فہم اور سادہ زبان میں اپنے مضامین لکھنے کی کتھا کو بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ مصنفہ اچھی طرح جان گئی تھیں کہ اگر عام عوام سے کلام کا سب سے موثر ذریعہ کالم ہے تو بہترین ابلاغ کے لیے آسان نثر میں بات کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

سیف اندازِ بیاں بات بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات، نئی بات نہیں (۲۷)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

شاعرات سازی، چائے کی پیالی، قیدِ مقام سے گزر، اور 'شائع ہونا کتاب کا، ادبی پس منظر میں لکھے گئے عمدہ مضامین ہیں۔ یہ ایسے فکاہیہ مضامین ہیں جو ایک عورت کے قلم سے ہی سرزد ہو سکتے تھے۔ آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دینا ایک اچھے فنکار کی خوبی ہوتی ہے اور یہ خوبی ڈاکٹر فاخرہ نورین میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

نشاط یاسمین خان: زبان کوئی بھی ہو مزاح نگاری یقیناً ایک دشوار گزار مرحلہ ہے جس کے سبب بہت سے بہترین ادیب بھی اس رستے سے کنی کترا کر گزر جاتے ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ میں مزاح نگار انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اور خصوصاً خواتین مزاح نگاروں کے متعلق ناقدین کا خیال ہے کہ عورتوں میں حسِ مزاح کی کمی ہوتی ہے، اس لیے وہ کبھی اچھی مزاح نگار نہیں بن سکتیں۔ لیکن دورِ حاضر میں ڈاکٹر فاخرہ نورین کے بعد مزاح نگاری کے حوالے سے نشاط یاسمین خان کا نام یقیناً ایک اہم اضافہ ہے۔

افسانوں کی دنیا میں زورِ قلم آزمانے والی نشاط یاسمین خان نے اپنی زندگی کو موضوعِ گفتگو بناتے ہوئے "اماں نامہ" کے نام سے اپنے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ترتیب دیا ہے جسے بلاشبہ مزاح نگاری کے میدان میں تازہ ہوا کا جھونکا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس مجموعے کی خاص بات یہ ہے کہ مصنفہ ظرافت اور بھونڈے پن کے درمیان موجود بال برابر فرق کو اچھی طرح سمجھتی ہیں اور اسی فرق کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے جس طرح انھوں نے معاشرے کے کئی بوسیدہ رویوں کو انوکھے انداز میں برتا ہے، وہ خاصے کی چیز ہے۔

کتاب کے پیش لفظ میں مصنفہ ہمیں بتاتی ہیں کہ یہ کتاب اور اس میں موجود مضامین دراصل ان کی آپ بیتی ہیں لیکن وہ اس میں محض راوی کے طور پر موجود ہیں۔ جب قاری کتاب پڑھتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہے، "اماں" آپ کو ہر میدان میں غالب نظر آئیں گی۔ اس خود نوشت میں مصنفہ معاشرے کے کچھ ایسے رویوں کو لطیف تنقید کا نشانہ بناتی ہیں جن کے بارے میں عموماً پورے معاشرے کو ہی یقین ہے کہ یہ رویے کسی بھی صورت درست نہیں، اس کے باوجود وہ رویے عام ہیں اور کوئی بھی انھیں ترک کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہر لحاظ سے خود مختار ہوتے ہوئے بھی سماج کی کئی ایسی بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں کہ ہم چاہ کر بھی انھیں ختم نہیں کر سکتے۔ فوادر رضا اس کتاب میں مصنفہ کے سماجی رویوں کے متعلق اظہارِ خیال کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "دلچسپ بات یہ ہے کہ نشاط نے ان رویوں پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے مثبت اور منفی پہلو کھول کر سامنے رکھ دیے ہیں جس کے بعد قاری با آسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

کون سا رویہ درست ہے اور کون سا غلط۔ مثال کے طور پر گھروں میں والدین کی جانب سے بچوں میں کی جانے والی تفریق ہو، شادیوں کے موقع پر رشتے ڈھونڈنے کا چلن ہو یا شادی کے بعد نئی رشتے داری کا نبھانے کا معاملہ ہو، اس کتاب کی بدولت ہم اپنے گریبان میں جھانک پاتے ہیں کہ ہم نے اپنے ارد گرد کیسے کیسے رویوں کو فروغ دے رکھا ہے اور ان پر نازاں بھی ہیں"۔ (۲۸)

کتاب کے آغاز میں مشرقی معاشرے میں ماں کے کردار کے ساتھ ساتھ "گھر داماد" کے کردار کی بھی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ گھر داماد کے روپ میں مصنفہ نے ہمارے معاشرے کے ایک ایسے کردار کو اجاگر کیا ہے جس کے بھیانک نتائج سے ہر شخص بخوبی آگاہ ہوتا ہے لیکن اپنی سہل پسندی کے باعث خوشی خوشی اسے قبول کر لیتا ہے۔ ایسے ہی ایک گھر داماد کے حالات مصنفہ کی زبانی ملاحظہ کریں:

"صلّو بھائی بے چارے سسرال کا رزق کھا کھا کر اپنی قوتِ پرواز کھو چکے ہیں اور اپیا آرام کرسی پر بیٹھے بیٹھے پھول کر غبارہ بن چکی ہیں۔ اب پھٹیں کہ تب۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے، اگر ترازو کے ایک پلڑے میں صلّو بھائی اور دوسرے میں اپیا کو رکھ دیا جائے تو صلّو بھائی والا پلڑا تو ہوا میں معلق ہو جائے گا"۔ (۲۹)

ایک انتہائی وفا شعار بیوی کی طرح مصنفہ نے اپنی کتاب کا انتساب اپنے "میاں صاحب عبد السعید خان" کے نام کیا ہے۔ کتاب کا پیش لفظ اور اختتامیہ موصوفہ نے خود لکھا ہے جو فکر انگیز ہے اور قابلِ ستائش بھی کہ انھوں نے بیساکھیوں کے طور پر بڑے سے بڑے طنز و مزاح نگار حضرات کی تحریر کا سہارا نہیں لیا۔ آخری سرورق کا فلیپ ناشر کا فلیپ ہے، کہ اسے بہر حال کچھ نہ کچھ تعریف و توصیف میں لکھنا ہی ہوتا ہے۔ اپنے انگور کون کھٹے بتاتا ہے؟ سو شاعر علی شاعر کا "اماں نامہ" کے لیے بحیثیت مجموعی رَطب اللسان ہونا جائز ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ شاعر علی شاعر کا مصنفہ کے بارے میں کہنا ہے کہ اگر وہ تسلسل سے مزاح لکھتی رہیں تو وہ پاکستان کی نمائندہ مزاح نگار خاتون بن سکتی ہیں جبکہ میرا ماننا ہے کہ "اماں نامہ" کے حوالے سے نشاط یاسمین خان نمائندہ مزاح نگار خاتون بن چکی ہیں۔ ناصر زیدی مصنفہ کے "طنز و مزاح" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"طنز و مزاح لکھنے والوں میں اب تک ننانوے فیصد مرد اہلِ قلم ہی کی اجارہ داری رہی ہے، خواتین اِس طرف آئی ہی نہیں یا آئیں بھی تو کم بہت ہی کم۔ اِس لحاظ سے نشاط یاسمین

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

خان کی 'طنز و مزاح' کے بیز تلے آمد ادب کے لیے تازہ ہوا کے خوشگوار جھونکے کی مانند ہے
اس لیے ان کا نام اور کام کھلے دل سے اور کشادہ بازوؤں سے سواگت کے لائق ہے"۔ (۳۰)

'میٹنگ' میں مصنفہ نے گھریلو خواتین کی آپس میں گول میز کانفرنس کا ذکر نہایت عمدہ انداز میں کیا ہے۔ مشرقی معاشرے میں ہمسائیوں کے آپس میں تعلقات کو بڑی خوبصورتی سے صفحہ قرطاس پر بکھیرا گیا ہے۔ یہ کتاب چونکہ خالصتاً گھریلو موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اِس لیے اس میں بیشتر موضوعات خاندانی و سماجی تعلقات سے متعلق ہیں۔ 'ہمارا مرغا' بھی سماجی نوعیت کا ایک ایسا مضمون ہے جس میں محلہ داروں کے حقوق و فرائض کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح ہمارے معاشرے میں انسانوں سے لے کر جانوروں تک ہر چیز سانجھی ہوتی ہے۔ سانجھ داری کی یہ خوبی جو اس معاشرے کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑے ہوئے ہے اس کا تحریری اظہار مصنفہ کے ہاں خوب ملتا ہے۔

"اماں نامہ" ایک سادہ، شستہ اور گھریلو ادبی تحریر ہے۔ اس کتاب میں عمومی گھریلو واقعات کو گفتگو کے ایسے ادبی رنگ میں ڈھالا گیا ہے کہ قاری کتاب کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ بھی مصنفہ کے ہی گھر کا کوئی فرد ہے اور زندگی کہیں ساتھ ہی محلے یا پڑوس میں گزار رہا ہے۔ "اماں نامہ" کو پڑھتے ہوئے قاری پر لطیف سحر طاری ہو جاتا ہے، قاری ایک مکمل گھریلو زندگی کی جو چاشنی محسوس کرتا ہے اس کا اثر نہایت دیرپا ہے۔ بظاہر عام سی گھریلو دکھائی دینے والی یہ تحریر اصل میں معاشرے کا عمیق مشاہدہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

ہمارے گھر میں سے، ساحلِ سمندر، لڑکیوں کی شادی مسلہ نہیں ہے، اور 'کالونی کے میرزا' جیسے مضامین میں بھی سماجی تعلقات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ مصنفہ نے اپنی کتاب کا دائرہ صرف خاندانی و سماجی تعلقات تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ ادبی موضوعات کو بھی فکاہیہ گفتگو کا حصہ بنایا ہے۔ اس ضمن میں واشنگ مشین، مشاعرات، اور 'ایوارڈ' خاصے کی چیز ہیں۔ 'واشنگ مشین' میں شاعروں کی اس قبیح نسل کی نشاندہی کی گئی ہے جو نوجوان خواتین کو شاعری کی اصلاح دینے کے ساتھ ساتھ اپنا رشتہ بھی دے دیتے ہیں۔ اسی طرح 'مشاعرات' بھی ادبی پس منظر میں لکھا گیا ایسا مضمون ہے جس میں دورِ حاضر کی نوے گرام کے کاغذ پر دس گرام کی شاعری لکھنے والی شاعرات کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ وہ ادبی محافل جو اپنے ظاہری رکھ رکھاؤ کی وجہ سے ادب کے نووارد ناظرین کو بے حد متاثر کرتی ہیں اس کے باطن میں چھپی برائیوں کو نہایت عمدہ انداز میں کھول کر قاری کے سامنے رکھا گیا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

ہے۔ یہ تمام مزاحیہ تحریریں ایسی ہیں جو قاری کو محظوظ کرنے کے ساتھ ساتھ سوچنے پر بھی مجبور کرتی ہیں۔ ذہنی تناؤ کے شکار معاشرے میں ان ہنستی مسکراتی تحریروں کی اشد ضرورت ہے۔

حوالہ جات

۱) رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص:۱۴۸

۲) ہمایوں اشرف، ڈاکٹر، سعادت حسن منٹو-حیات اور کارنامے، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۵ء، ص:۳۷

۳) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، انٹکھیلیاں، فیصل آباد، مثال پبلیشرز، ۲۰۱۴، ص۳۰

۴) خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، "ہم عصر مزاح کا منفرد مجموعہ" مشمولہ: چسکیاں از ڈاکٹر ذوالفقار علی، فیصل آباد: مثال پبلشرز، طبع اول، ۲۰۲۱ء، ص:۱۱

۵) سعادت حسن منٹو، تلخ، ترش اور شیریں، لاہور: مکتبہ شعر وادب، س ن، ص:۲۵

۶) محمد کامران، ڈاکٹر، "کشتِ زعفران کا کیمیا گر" مشمولہ: چسکیاں از ڈاکٹر ذوالفقار علی، ص:۱۵

۷) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، چسکیاں، ص:۱۳۴

۸) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، چسکیاں، ص:۱۵۳

۹) انجم مانپوری، طنزیاتِ مانپوری، لاہور: مکتبہ قریش، ۱۹۹۵ء، ص:۲۸۱

۱۰) ایضاً، ص:۳۲، ۳۳

۱۱) ڈاکٹر محمد ایوب، مشمولہ: مخزن، لاہور، جلد:۶، ششماہی، ص:۱۱۰

۱۲) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، انٹکھیلیاں، ص:۱۰۲

۱۳) ڈاکٹر انور سدید، مشمولہ: نوائے وقت، ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۸ء

۱۴) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، چھیڑ چھاڑ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۷ء، ص:۱۰۵

۱۵) قانور مسعود، روز بروز، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص:۷۷

۱۶) محمد خان، کرنل، بزم آرائیاں، لاہور: غالب پبلشرز، ۱۹۸۴ء، ص:۱۰۱

۱۷) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، چھیڑ چھاڑ، ص:۱۲۵

۱۸) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، چٹکیاں، ص:۶۶

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 2, (April to June 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-II)urdu-27

ماخذ تحقیقی مجلہ

۱۹) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، چسکیاں، ص:۵۶

۲۰) ذوالفقار علی، ڈاکٹر، چسکیاں، ص:۲۵۱

۲۱) ایضاً، ص:۲۱۴

۲۲) فاخرہ نورین، ڈاکٹر، خندہ ہائے زن، لاہور: ورّاق پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص:۲۵

۲۳) فاخرہ نورین، ڈاکٹر، خندہ ہائے زن، ص:۴۱

۲۴) ایضاً، ص:۴۲

۲۵) فاخرہ نورین، ڈاکٹر، خندہ ہائے زن، ص:۵۱

۲۶) علامہ اقبالؒ، ڈاکٹر، کلیاتِ اقبالؒ (اردو)، ص:۳۱۷

۲۷) اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، جو اماں ملی تو کہاں ملی، ص:۵۵

۲۸) فواد رضا "اماں نامہ-مزاح نگاری میں تازہ ہوا کا جھونکا" مشمولہ: اے-آر-وائے نیوز، ۱۵ دسمبر ۲۰۱۸ء، ص:۵

۲۹) نشاط یاسمین خان، اماں نامہ، ص:۲۱

۳۰) ناصر زیدی "اماں نامہ۔۔۔نشاط یاسمین خان کا" مشمولہ: روزنامہ پاکستان، ہفتہ، ۴ نومبر ۲۰۱۷ء